سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

ملفوظات

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ۱۳۱۴ھ میں قاضی بشیر
صاحب صدیقی میرٹھی مرحوم نے مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع کرایا تھا۔ اس کا پہلا ت
مولوی عظمت الٰہی میرٹھی نے کیا جو مطبع ہاشمی میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کے مطالعہ
مجھے نہیں ملا۔ قاضی صاحب نے ملفوظات کے شروع میں بطور پیش لفظ اس نے
متعلق جو کچھ فارسی زبان میں ارقام فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:-

کمترین بشیرالدین صدیقی ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مجھ کو طال
کے زمانے سے حصول ملفوظاتِ اولیاء کرام کا شوق تھا۔ خصوصاً حضرت شاہ عبدا
محدث دہلویؒ اور دیگران اکابرِ ملت کی تصانیف جمع کرنے اور پڑھنے کا ذوق تھا
سے اس قلیل البضاعت کو اور اس کے بزرگوں کو ارادت و تلمذ کا تعلق ہے۔ یہ
جستجو میں رہتا تھا کہ جس طرح ہو سکے ان تصانیف کو حاصل کروں، جہاں کہیں پ
تھا بسعیِ کثیر اور بصرفِ زرِ خطیر ان بے بہا موتیوں کو دستیاب کرتا تھا۔ اس طرح
نے اس سلسلے کی بہت سی کتابیں اور رسائل جمع کر لئے جن کو حسبِ ضرورت وقت

شائع کرنے کا قصد ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدتِ مدید سے دل کی یہ آرزو بھی تھی کہ اگر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے کسی مرید یا شاگرد نے ملفوظات جمع کیے ہوں تو وہ بھی حاصل ہو جائیں۔ الحمد للہ کہ جوینده یا بنده کے بموجب آرزوئے دل برآئی۔ یعنی نسخۂ ملفوظات طیبات بہم پہنچ گیا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ کتاب کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کے باعث جامعِ ملفوظات کا نام دریافت نہ ہوسکا۔ البتہ بعد مطالعہ اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ان ملفوظات کا جامع، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی بہت ہی خاص مرید ہے۔ اپنی طبیعت کے تقاضے اور بعض اخوان و احباب کے اصرار کی بنا پر میں نے اس گوہرِ بے بہا کو مخفی رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کو طبع کرانے کے لئے کمرِ ہمت باندھ لی مجھے اس کتاب کی طباعت میں کافی محنت کرنا پڑی ہے۔ دریدگی اور بوسیدگی کی وجہ سے اصل کتاب میں جو کلمات پڑھے نہ جا سکے اور جن میں اپنی سمجھ اور رائے سے جوڑ لگانا نامناسب تھا، ان مقامات کو مجبوراً اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے، علاوہ بریں کچھ اغلاط کاتب کی ان مطبع کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں ان کو آخر کتاب میں غلط نامہ کے عنوان سے لگا دیا گیا ہے[1]

میں نے اب سے تقریباً تیس سال پہلے قاضی صاحب مرحوم سے میرٹھ جا کر معلوم کیا تھا کہ ان کو اصل نسخہ کہاں سے دستیاب ہوا؟ یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ متھرا سے مجھے یہ نسخہ ملا تھا۔ معلوم نہیں کہ ان کے صاحبزادے مکرمی قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کے پاس اب بھی وہ اصل نسخہ محفوظ ہے یا نہیں؟

جواہر میوزیم اٹاوہ میں (جو ڈاکٹر بشیر الدین احمد مرحوم کا جمع کردہ ذخیرۂ کتب ہے اور اب کچھ عرصے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں شامل ہو گیا ہے) ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ مولانا ابرار حسین فاروقی گوپاموی ایم اے علیگ نے اس نسخے پر تبصرہ کرتے ہوئے جواہر زواہر میں تحریر کیا ہے۔

"یہ ملفوظات سوال و جواب کی شکل میں ہیں جن میں مسائلِ تصوف و سلوک

---

[1] احقر کے پاس جو مطبوعہ نسخہ ہے اس کے آخر میں غلط نامہ نہیں ہے ۱۲

مسائلِ فقہ، تفسیر و حدیث اور بعض واقعاتِ تاریخی کا جزو از معلومات درس
کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔ کتابت بخطِ معمولی نستعلیق ہے۔ لیکن کاتب کا نہ صرف خط
بہت معمولی ہے جس سے عربی عبارتیں غلط ہوگئی ہیں بلکہ . . . . . کافی خراب ہے
کی وجہ سے بعض الفاظ مشکل سے پڑھے جاتے ہیں'' ص۹۶

مجھے علی گڑھ میں اس نسخے کو مطالعہ کرنے کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے۔ ۲۹ ز
سنہ ۱۲۹۴ھ میں بدست محمد عطا علی یہ مخطوطہ تیار ہوا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ مطبوعہ
اس قلمی نسخے سے مقابلہ بھی کیا۔ دو تین دن کئی گھنٹے صرف کرکے چوتھائی کتاب کا
کر چکا ہوں، اتنے ہی حصے میں درجنوں غلطیاں مطبوعہ نسخے میں نکلیں۔ بعض جگہ
نسخے میں الفاظ صحیح ہیں مخطوطہ میں غلط ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ قاضی بشیر الدین
میرٹھی مرحوم کا نسخہ اس نسخے کی نقل نہیں ہے۔

ملفوظات کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر معین الحق ایم اے پی ایچ ڈی کی تحریک
میں شائع ہوا۔ دو فاضل مترجموں نے اس کام کو انجام دیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کا
لکھا، جس میں میرٹھ والے ترجمے کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ اس میں ترجمے کی بے
غلطیاں ہیں اور اکثر عبارتیں کی عبارتیں ترجمے سے چھوٹ گئی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دوسرا ترجمہ کتابت، طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے
ہے۔ مقدمہ بھی مبسوط و مفصل لکھا گیا ہے۔ مگر اس میں بھی ترجمے کے اغلاط کثرت
موجود ہیں۔ میرے سامنے اگر پہلا ترجمہ بھی ہوتا تو مجھے اس امر کا پتہ چلانا آسان ہوتا کہ
ترجمے میں کن کن غلطیوں کا ازالہ اور کن کن غلطیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ کراچی والے
میں بہت سی ایسی اغلاط ہیں کہ بے اختیار ہنسی آنے لگتی ہے۔ مطبوعہ فارسی نسخے میں
بہت سی غلطیاں ہیں، لیکن جو عبارت پڑھی جا سکتی ہے اور غور کرنے سے جس کا مطلب
نکل سکتا ہے اس کا سرسری طور پر بغیر سوچے سمجھے ایک گول مول ژولیدگی آمیز ترجمہ
شان ترجمانی کے مناسب نہیں۔ نسخہ ملفوظات اور اس کے ترجمے پر مستقل طور پر
مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال دو نمونے مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے جاتے ہیں

ملفوظات مطبوعہ میں ہے ــــ خسر بندہ کہ شاگرد و خلیفۂ والدم بودند الخ۔ اس عبارت کا ترجمہ سیدھا سادہ یہ ہے کہ بندے کے یعنی میرے خسر جو کہ میرے والد کے شاگرد و خلیفہ تھے الخ۔

اب ذرا کراچی والے ترجمے کو ملاحظہ فرمائیے، ایک شخص خیز ندہ ؟ (سوالیہ علامت ترجمے میں لگی ہوئی ہے) کہ میرے والد کا خلیفہ اور شاگرد تھا الخ۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ترجمہ ہے۔

ملفوظات میں ہے ــ ارشاد شد کہ مثل والد صاحب حافظہ ندیدہ ام مگر شنیدہ ام چنانچہ شعبیؒ کہ ذکر او در بخاری جابجا آمدہ ــ ظاہر ہے کہ اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ ــ میں نے والد صاحب کی مثل کسی کا حافظہ نہیں دیکھا، مگر ہاں سنا ہے چنانچہ شعبیؒ کا حافظہ جن کا ذکر بخاری میں جابجا آتا ہے الخ۔

اب کراچی کے ترجمے کو پڑھئے ــ میں نے اپنے والد ماجد کے برابر کسی کا حافظہ نہیں دیکھا مگر ایک شیعہ کا حال[ع] سنا ہے بخاری میں اس کا ذکر جابجا مذکور ہے۔

کتنا مزیدار ترجمہ ہے، دھوکا کہاں سے لگا ؟ شعبیؒ کو شیعی پڑھنے اور سمجھنے سے۔ اتفاق سے مطبوعہ نسخے میں اس لفظ پر شوشے اور نقطے بھی اس انداز سے لگ گئے ہیں کہ سرسری ترجمہ کرنے والے کا امتحان ہو جائے ــ میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضرور تھا کہ تمام ملفوظات کا ترجمہ کر دیا جائے۔ ملفوظات کی تلخیص کر کے سمجھ میں آنے والی عبارات کا ترجمہ کر دیا جاتا۔ کافی تھا۔

اصل ملفوظات کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے جامع نے جن کا نام

ع ــ قاضی بشیر الدین میرٹھی مرحوم نے حالات شاہ عبدالعزیزؒ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ملفوظات کا بھی کچھ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس ملفوظ کا یہاں بھی یہی ترجمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ والے ترجمہ سے منتقل ہو کر یہ غلطی کراچی پہنچی اور وہاں کے فاضل مترجموں نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی۔

اور جن کی علمی حیثیت معلوم نہیں چند ایسی باتیں بھی ملفوظات کے مجموعے میں شامل کر دی ہیں جن کو شاہ صاحبؒ نے اپنے بے تکلف احباب کے سامنے بعض مجالس میں بیان فرمایا تھا، ان کو جامع صاحب شاملِ مجموعہ نہ کرتے تو اچھا تھا، یہ کیا ضروری ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو نقل کر دیا جائے۔ بزرگوں کے بعض ملفوظات میں تفرد کی شان بھی ہوتی ہے۔ اس نسخے میں بھی بعض ملفوظات تفرد کی شان لئے ہوئے ہیں۔ بعض ارشادات محققانہ ہیں مگر ہر ایک کے سمجھنے کے نہیں۔ کم علمی اور کم فہمی کی بنا پر بعض اشخاص اس سے الجھن میں پڑ سکتے ہیں ــ بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کی حیثیت فتوے کی نہیں ہے بر سبیلِ تذکرہ یوں ہی بیان فرمادی گئی ہیں، پھر زمانے اور ماحول کے محرکات و موثرات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ جذبۂ اصلاح کے باوجود بعض بزرگ خود بھی غیر محسوس طریقے پر کچھ نہ کچھ ان محرکات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ بعض باتوں کو معلوم ہوتا ہے کہ جامع صاحب خود نہیں سمجھے۔ یا بعد کو ملفوظ لکھا ہے پوری بات یاد نہیں رہی یا پوری بات یاد ہے لیکن فی الحال اپنے مسودے میں اشارہ کر دیا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ اس بات کو بعد میں وضاحت سے لکھوں گا۔ بعض جگہ پڑھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بات اس طرح شک کے ساتھ فرمائی ہوگی، مگر وہ شک جامع کا ہے شاہ صاحب کا نہیں، مثلاً حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تاریخِ وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۲۹ محرم الحرام بیان فرمائی۔ جامع صاحب نے اس تاریخ کو بعد میں لکھا اور ۲۹ محرم لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا کہ یا ۱۲ محرم کو ــ یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات ۲۹ کو ہوئی یا ۱۲ کو ــ ظاہر ہے کہ اپنے والد ماجد کی تاریخِ وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا حافظہ کیسے فراموش کر دیتا۔ یہ ایک عظیم جاں گداز سانحہ تھا اس کی تاریخ اس طرح شک کے ساتھ شاہ صاحبؒ بیان نہیں کر سکتے تھے۔ لامحالہ جامع صاحب کو شک ہوا کہ یہ تاریخ فرمائی تھی یا یہ، اور بعد کو معلوم نہیں کیا۔ غرض کہ کچھ جامع نے کچھ کاتب نے کچھ مترجمین نے مل ملا کر ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ بعض اہلِ علم حضرات کو ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیزؒ کے کل یا جزء کے الحاقی یا مصنوعی ہونے کا شبہ ہونے لگا۔ میں نے ان ملفوظات پر کافی غور کیا ہے، میں اس کے تمام

مندرجات کو صحیح سمجھتا ہوں بس بات یہی ہے کہ جامع سے لے کر مترجم تک کے تصرفات سے بعض ملفوظات کا نقشہ تبدیل ہو گیا ہے جس سے ایک ذہین و ذکی ناظر سخت الجھن محسوس کرتا ہے۔

مجموعی حیثیت سے یہ ملفوظات بہت دلچسپ اور بہت سی معلومات کے حامل ہیں۔ جامع نے اپنا نام اگرچہ نہیں بتایا لیکن کچھ محنت کرنے کے بعد ان کے دیباچے کی روشنی میں اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس جگہ کے یا کم از کم کس علاقے اور خاندان کے شخص تھے۔

جامع ملفوظات نے شروع میں لکھا ہے کہ میں بتاریخ ۱۳ رجب ۱۲۳۳ھ بروز شنبہ دوسری مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احباب واعزار کا سلام پہنچایا۔ حضرتؒ نے "بعد استفسار خیر و عافیت جسمانی و روحانی و اہلی و مالی" میرے مشاغل کو معلوم فرمایا۔ اسی دن میں نے ملفوظات لکھنے کی اجازت حاصل کی، پھر عارضی سکونت کے لئے ایک مکان (غالباً کرائے پر) بہم پہنچایا۔ بعدہٗ ۱۷ رجب ۱۲۳۳ھ (یوم الجمعہ) سے ملفوظات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

داخلی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شوال ۱۲۳۳ھ تک یہ کام جاری رہا اور تقریباً تین ماہ کے ملفوظات جمع کر لئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا وصال ہوا ہے۔ اس مجموعۂ ملفوظات کے آخر میں ان کے مرض اور وفات سے متعلق بھی چند واقعات ہیں، اور پھر چند ورق کے بعد ملفوظات ختم ہو جاتے ہیں۔

ان ملفوظات میں علاوہ مجلس خاص کے چہل قدمی کے وقت کی گفتگو بھی کہیں کہیں قلم بند ہوئی ہے۔ ان میں حدیث و تفسیر کے کچھ پہلو، مسائل فقہ، رموزِ طریقت، ادبی نکات، اپنی اور اپنے والد ماجد نیز دیگر بعض مشاہیر کی غزلیں، موقع و محل کے ابیات اور معلوماتِ عامہ کا ذخیرہ اپنے حافظہ کی مدد سے پیش فرمایا گیا ہے۔ سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ایسی ظرافت بھی جھلکتی ہے کہ گلستانِ سعدی کے باب پنجم

وشنشم کا مزہ آجائے۔ ان ملفوظات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ۷۴-۷۵ سال کی عمر میں جب کہ گوناگوں امراض لاحق ہیں، بصارت کمی کی جا چکی ہے، ضعف بڑھ رہا ہے لیکن حافظہ شباب پر ہے، طبیعت جوان ہے اور دل زندہ ہے۔ وہ شاہ عبدالعزیزؒ جن کا دل مدت سے مسلمانوں کے انتشار، مسلم حکومت کے زوال، نیز غلط طاقتوں کے غلبہ و اقتدار کی وجہ سے غمگین ہے اور جو عالم شباب میں اپنے چچا کو خطوط تحریر فرماتے تھے تو صفحۂ قرطاس پر ان کا سوزِ دروں نمایاں ہو جاتا تھا، عالم پیری میں ان کا ضبطِ غم کمال کو پہنچ گیا ہے اور وہ اپنی مجلس کے اندر "خندہ برلب" اور "آتش پارۂ دل" نظر آتے ہیں۔ بہر حال اب میں ملفوظات کی تلخیص پیش کرتا ہوں۔

فرمایا — کہ باعتبار سورۃ، آخری سورۃ اِذَا جَآءَ ہے جس کو سورۃ نصر اور سورۂ فتح بھی کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں معناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہے۔ یعنی جب ہر طرح کی نصرت ہماری طرف سے آپ کو پہنچ گئی اور مقصدِ بعثت انجام پا گیا تو اب ہمارے پاس آجائیے۔

فرمایا — کہ مقصدِ چشتیاں، قوتِ عشق کا بروئے کار لانا اور اُبھارنا ہے، اس کے لئے جو اُمور، ممد و معاون ہوں اُن کو اختیار کرتے ہیں جیسے ذکرِ جہر وغیرہ۔ اور اس کے لئے جو چیزیں مضر ہیں اُن سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عشق حاصل ہو گا تو "حضور و انکسار" وغیرہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا — مقصود نقشبندیاں — احضارِ نقشِ دلدار اور تصحیح خیال ہے، لہٰذا جو چیزیں اس کے لئے معاون ہیں اُن کو اختیار کرتے ہیں اور جو مُضر ہیں اُن سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "استقرارِ حضور" سے فنا و بقا اور عشق سب کچھ حاصل ہو جائے گا — مقصود قادریاں — تصقیل (صیقل کرنا) اور انکسارِ نفس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب دل صاف ہو گیا تو اُس کے مقابل میں جو کچھ ہے وہ جلوہ گر ہو جائے گا۔

سید احمد (شہید رائے بریلوی) جو کہ بزرگ زادہ سادات قطبی ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں، جن کے بارے میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوریؒ

کی نسبت "باستقرار تام" — اللہ تعالےٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے اور بہت سے لوگ دہلی میں ان کی روحانیت سے مستفیض ہوئے ہیں — انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ لفظ اللہ کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ جواباً ارشاد فرمایا کہ منگل کے دن میں نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی تفسیر میں کہا تھا کہ اللہ ایسی ذات کا نام ہے جو جامع جمیع صفاتِ کمالیہ ہے اور وہ حضرت حق جل مجدہ کی ذات ہے — حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہی اسم اعظم ہے۔ بشرطیکہ اس نام کے پڑھنے والے کے دل میں ماسوا کا دخل نہ ہو— پھر انھوں نے (سید احمد قطبی شہید نے) عرض کیا کہ مجھے تمام اسماء الٰہی میں اسی اسم (اللہ) سے اطمینان و سکون زیادہ حاصل ہوتا ہے — ارشاد فرمایا کہ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ جو کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے چچا اور پیر و مرشد ہیں — ان کا معمول تھا کہ جب کوئی مُرید شغلِ باطن کی درخواست کرتا تھا تو اس کو اپنے سامنے بٹھا کر اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام تلاوت کرتے تھے۔ معانی کے ساتھ اور اُن معانی کی تشریح کے ساتھ۔ — اور جس نام سے مرید زیادہ لذت یاب اور مانوس محسوس ہوتا تھا اس کو وہی نام تلقین کرتے تھے، پھر رفتہ رفتہ اسم اللہ تک پہنچاتے تھے ورنہ فرما دیتے تھے کہ (علاوہ فرائض کے) تم تسبیح و تلاوت، نفل اور خدمتِ فقرا میں مشغول رہو۔

پھر فرمایا کہ تمام اسماء اسی اسم میں داخل ہیں — پھر یہ آیت پڑھی أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (آگاہ باش کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پذیر ہوتے ہیں)۔

ایک مرید نے عرض کیا حضرت، اطمینان کے کیا معنیٰ ہیں — فرمایا دل کا چین اور خطراتِ پریشان سے دل کا یکسو ہو جانا، یعنی خاطر جمعی۔

ایک مرید مشی (چہل قدمی) کے وقت آپ کے راستے سے اینٹ پتھر کے ٹکڑے (جن سے ٹھوکر لگنے کا خوف تھا) دور کرتا جاتا تھا، فرمایا میاں تکلیف نہ اٹھاؤ۔ پھر فرمایا حدیث میں اس عمل کو شعبۂ ایمان اور موجبِ ثواب فرمایا گیا ہے۔

رات کے وقت چہل قدمی فرما رہے تھے۔ ایک جوان اس وقت ملاقی ہوا شفقت کے ساتھ اس کی طرف ملتفت ہوئے اور چند لطائف بیان فرمائے، منجملہ ان کے ایک یہ

لطیفہ بیان فرمایا کہ عبداللہ نامی ایک (سنی) امیر نواب شجاع الدولہ کا رفیق و ہم
تھا۔ ایک دن نواب صاحب نواحِ جون پور میں شکار کھیلنے گئے، ایک خرگوش ۔
ایک شکاری کتا چھوڑ دیا گیا، کتے نے خرگوش کو پکڑ لیا اور چونکہ وہ کتا سکھایا ہوا تھ
لئے اس نے خرگوش کو خود نہیں کھایا فقط سونگھا۔ نواب شجاع الدولہ نے (
کے بارے میں اپنے مسلک یعنی حرمت کو پیش نظر رکھ کر بطور طعن) کہا عبداللہ
خرگوش کو کتا بھی نہیں کھاتا، عبداللہ نے برجستہ جواب دیا، جی ہاں میں نے دیکھ ل
خرگوش کو کتا نہیں کھاتا۔

فرمایا۔ اولیاء چار قسم کے پائے جاتے ہیں۔

(۱) مستغرق۔ جیسے شیخ عبدالحق ردولویؒ اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ۔

(۲) اہلِ خدمات جیسے اقطاب۔

(۳) اہلِ تجرید و تفرید۔

(۴) عُرفاء جو کہ ہر مظہر میں حق کا مشاہدہ اور تحقیقِ اشیاء کرتے ہیں۔ جیسے شیخ
اور حضرت مجددؒ۔

ایک مُرید نے عرض کیا کہ بعض اعمال برائے رفعِ حاجات دینی و دنیوی
احادیث میں آئے ہیں۔ مثلاً نماز (حاجت) یا دُعائیں وہ اعمال اس زمانے میں
اپنی تاثیر کیوں نہیں دکھاتے۔ ارشاد فرمایا کہ علماء نے اس کا جواب تین طریقے
دیا ہے۔

(۱) شرائط قبولیت مفقود ہیں۔ جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی فوت۔

(۲) ان احادیث میں یہ آیا ہے کہ اس دُعا کا یہ خاصہ ہے یہ نہیں ہے کہ خو
ایسا ہی ہو جائے گا (کبھی کبھی مصلحت کے ماتحت اس دُعا کو قبول نہیں بھی فرما۔
(سائل کی مرضی کے مطابق) ہر دُعا قبول کر لی جائے ایک محذورِ عظیم لازم آئے گا۔
ایک شخص دُعا کرکے آب و بارش چاہتا ہے دوسرا اپنی کسی وقتی مصلحت کی و
بارش نہ ہونا چاہتا ہے۔ اسی پر اور باتوں کو قیاس کرلو۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے اور یہی تحقیقی جواب ہے کہ کثرتِ ظلماتِ گناہ کے سبب سے نورانیتِ دُعا اپنا کھلا ہوُا نتیجہ اور فائدہ برآمد نہیں کر رہی ہے۔

دیکھو موسم برسات میں اگر اندر خشک جگہ میں بھی سامان رکھا ہو تو اس میں (کچھ نہ کچھ) نمی اور تری کا اثر آجاتا ہے، یبوست، چنداں اپنا کام نہیں کرتی اور موسم گرما میں اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح جب فضا ظلماتِ معاصی سے پُر ہوتی ہے تو استجابتِ دُعا کم ہوتی ہے، یا ہوتی ہے مگر مفہوم نہیں ہوتی یا کبھی اللہ تعالیٰ قدرے دعا قبول کر لیتا ہے۔

میر احمد علی شاہ نے عرض کیا کہ حضرتِ والا نے بعد ختمِ قرآن متصلاً پھر قرآن شروع فرمایا اس کی اصل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا حدیث میں آیا ہے۔ بہترین عمل (منزل پہ) اُترنا اور پھر سفر کے لئے کمر کس لینا ہے، یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو پھر شروع کر دے۔ (اذکار نووی میں یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُترنے اور سفر کرنے سے کیا مُراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا ختم کرنا اور پھر شروع کرنا)۔ اسی دوران میں فرمایا کہ مجھ کو قرآن مجید کے اندر جو معنی ہائے عجیب وغریب بہم پہنچتے ہیں اور اُن کی جس قدر آمد ہوتی ہے حدیث میں اتنے معانی کی آمد نہیں ہوتی۔ حدیث شریف کا مطلب و مفہوم (زیادہ تر) موافق کتب (شارحینِ حدیث) بیان کرتا ہوں۔

ایک مرید نے عرض کیا تین دن ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب کے اندر آپ کی شکل میں دیکھا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر توجہ مبذول فرما رہے ہیں۔ میں بہت ہی لذت یاب اور مسرور ہوُا اور قلب اس وقت سے سبک اور ہلکا ہو گیا ہے ــــ (ابھی اس خواب کے متعلق حضرت شاہ صاحب کچھ فرمانے نہ پائے تھے کہ) ایک دوسرے مرید نے خواب ہی کے بارے میں ایک اور بات دریافت کر لی۔ حضرتؒ نے اس کا جواب دیا ــ پھر پہلے شخص نے جس نے اپنی خواب بیان کی تھی، عرض کیا۔ میرے خواب کی تعبیر کیا ہوئی۔ فرمایا، بھائی میں

تو سگِ کوئے آنحضرتؐ ہوں (یعنی فی نفسہٖ تمہاری خواب صحیح ہے، لیکن میری شکل میں تم نے زیارت کی ہیں اس قابل کہاں تھا۔ یہ تمہارے اُس حسنِ ظن کی بات ہے میرے ساتھ رکھتے ہو اور خواب کا اتنا حصّہ حُسنِ ظن کا اثر ہے)۔

مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا۔ عقیقہ فرض ہے؟ ارشاد فرمایا، نزد ابو و شافعیؒ و مالکؒ سنت ہے اور نزد احمدؒ فرض ہے۔

فرمایا۔ کچھ عرصہ ہؤا ایک شیعی درگاہِ سلطان المشائخ میں وارد ہؤا، شہر فضلاء، علماء، فقراء اور عوام و خواص درگاہ میں حاضر ہوتے ہی ہیں، اس نے شہر بعض فضلاء سے سوال کیا کہ ایک نومسلم ہے وہ بعد قبولِ اسلام آخر کس مذہب و کو اختیار کرے اور وہ کیسے جانے کہ کون سا مذہب حق ہے؟ اگر طلبِ علم کرے مدت درکار ہے اور انجام کے لحاظ سے خطرات ہیں۔ بعض نے اس کا جواب کچھ دیا بعض نے کچھ۔ ایک جواب یہ دیا گیا کہ فریقین کی متفق علیہ اور مختار باتوں کو اختیار کر کے تحصیل علم کرتا رہے اور تحصیلِ علم کے بعد جس کے راستے کو اچھا جانے اس پر چلے۔ آخر یہ مسئلہ بندے کے سپرد کیا گیا۔ جب لوگ میرے پاس آئے تو اس (نووارد) شخص کو بھی اپنے لائے۔ میں نے کہا کہ وہ نومسلم چھ باتوں سے جان لے کہ (مسلمانوں میں) مذہب کون سا ہے۔ اوّل یہ دیکھے کہ مکّہ جہاں خانۂ خدا ہے وہاں کون سا طریقہ جاری ہے کون سا طریقہ ناپید ہے، دوسرے مدینہ میں کون سا مسلک و مذہب ہے؟ تیسرے قرآن کس کو محفوظ ہوتا ہے اور کس کو نہیں۔ چوتھے بعد نبوت، ولایت کس فرقے میں جاری ہے۔ پانچویں عید و جمعہ (کا اہتمام) کہاں ہے۔ چھٹے ہندوستان میں جہاد فی سبیل اللہ کس نے رائج کیا اور یہ سلطان محمود غزنویؒ اور شہاب الدین غوری کون تھے؟

ارشاد فرمایا کہ غازی الدین خاں جو اچھے شاعر تھے کہا کرتے تھے کہ جس شعر میں معنی نہ ہوں (مہمل ہو) اس کو (خواہ مخواہ کھینچ تان کر کے) تصوّف میں لے جاؤ معنیٰ پیدا کر لے گا۔

ایک مُرید نے عرض کیا کہ بعد عصر سورۂ عم یتساءلون کی تلاوت کو بزرگوں ۔

مورث و موجبِ محبتِ الٰہی بتایا ہے، کیا حدیث میں بھی یہ بات آئی ہے یا فقط بزرگوں کا تجربہ ہے؟ فرمایا کہ یہ بات حدیث میں نہیں ہے۔

سید احمد (شہیدؒ) کے بارے میں جو کہ حضرت کے بڑے خلفاء میں سے ہیں اور جن کا ذکرِ خیر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ بعض حاضرینِ مجلس نے عرض کیا کہ ان کو جو حضرت والا کے ساتھ فنائیت و عشق ہے اس کی وجہ سے ہم کو بھی ان سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ بندے سے خالص محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ یہ خالص محبت ہونا اختیاری بات نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

یا دل بکہ باید داد، یا دل زکہ باید بُرد
دل دادن و دل بردن ایں امر خداداد است

(یعنی کس کو دل دینا چاہیئے اور کس سے دل لے لینا چاہیئے، یہ دونوں باتیں خداداد ہیں بندے کے اختیار میں نہیں ہے)۔

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو علم کی دولت یا کوئی اور نعمت عطا فرمائے تو اس کو چاہیئے کہ اس نعمت کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کرکے اس نعمت کو مزید کرلے۔

مولوی[ع] امام الدین جو کہ روسار کٹرہ مانک پور سے تھے اپنے بھائی مولوی نظام الدین کی تلاش میں آئے تھے۔ انھوں نے فراقِ پسر میں اپنی والدہ کی بے قراری کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ جب حضرتِ یوسف علیہ السّلام اپنے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السّلام سے جدا ہوئے تو صرف اس جدائی کا قلق اتنی کشش نہیں رکھتا تھا کہ بیٹے کو کھینچ لیتے اور پا لیتے، پھر جب دوسرے بیٹے کی جدائی کا قلق بھی شامل حال ہوگیا تو پھر اتنی قوت پیدا ہوگئی کہ دونوں سے ملاقات ہوگئی۔ (مطلب یہ کہ تمہارے فراق کا اثر بھی تمہاری والدہ پر ہوا ہوگا اس سے امید ہے کہ نظام الدین تمہارے ہمراہ والدہ کے پاس پہنچ جائیں)۔

عہ ترجمۂ کراچی میں اس نام پر فٹ نوٹ دے کر ظاہر کیا ہے کہ یہ مولانا قاری امام الدین نخشبی امروہی ہیں۔ کہاں کٹرہ مانک پور کہاں امروہہ کوئی تُک بھی ہو۔

فرمایا کہ ـــ مثل والد صاحب (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کے میں ـ
نہیں دیکھا، ہاں سُنا ضرور ہے چنانچہ شعبی کے حافظے کے واقعات، جن کو
میں جابجا آئی ـــ عبد الملک بن مروان حاکم وقت نے ایک مرتبہ ان کے
اس طرح لیا کہ ان کو اپنے پاس بلوایا اور ملکِ عراق کے چار صوبوں کے دیہ
کا حساب جمع و خرچ کاغذ سے ان کے سامنے پڑھا اور چند دن کے بعد ان کو
اس جمع و خرچ کی تفصیل زبانی دریافت کی ـ مطابق رجسٹر کے ان کے حافظے
موجود تھی، سب سُنادی ـــ اس کے بعد امام ترمذیؒ کے حافظے کا واقعہ سُ
میں کسی نے مولوی راشد بنگالی کا ذکر کیا کہ وہ اس قدر ملکہ رکھتے تھے کہ سبق؛
جاتے ہیں اور مسودہ بھی لکھتے جاتے ہیں ـ فرمایا کہ یہ بات کثرتِ مزاولت اور
تعلق رکھتی ہے، اگرچہ حافظہ اور ذہن بھی شرط ہے ـ پھر اسی ضمن میں ایک
واقعہ اپنے بچپن کا سنایا ـ پھر فرمایا کہ شاہ محمد عاشق (پھلتی) جو کہ والد ماجد کے
خلیفۂ اعظم تھے اور سبیل الرشاد وغیرہ کتب کے مصنّف بھی تھے، ایک مرتبہ یہ
کہ ایک شاگرد کو بڑی محنت سے پڑھا رہے ہیں اور عین مشغولیتِ درس میں
باطنی انتہائی جوش پر ہے ـ (مسلسل)

لمحات (عربی)

شاہ ولی اللہؒ فلسفۂ تصوف کی یہ بنیادی کتاب عرصے سے نایاب تھی
قاسمی کو اس کا ایک پُرانا قلمی نسخہ ملا ـ موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح
صاحب کی دوسری کتابوں کی عبارات سے اس کا مقابلہ کیا ـ اور وضاحت طلب
تشریحی حواشی لکھے ـ کتاب کے شروع میں مولانا کا ایک مبسوط مقدمہ ہے ـ

قیمت :ـ دو روپے